امام الادب مولانا فیض الحسن سہارن پوری

ولادت: ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۶ء ـــــ وفات: ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء

ساجد علی مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

مولد و مسکن:

امام الادب مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۶ء میں محلہ ''شاہ'' ضلع سہارن پور کے ایک زمین دار، مگر علم دوست گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ ماجد کا اسم گرامی ''خلیفہ علی بخش'' ہے، یہ قرآنِ مقدس کے شان دار حافظ اور عربی و فارسی ادبیات کے زبردست عالم تھے۔ اور آپ کے دادا کا نام ''خدا بخش'' ہے۔ مولانا موصوف نسبتاً ''قریشی'' اور مسلکاً ''حنفی'' ہیں۔

تعلیم و تربیت:

آپ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی، بلکہ عربی و فارسی کی مروجہ درسی کتابیں بھی آپ نے اپنے والد ماجد ہی سے پڑھیں، پھر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے رام پور تشریف لے گئے اور وہاں اپنے زمانہ کے متبحر عالم دین خاتم الحکما علامہ فضل حق بن فضل امام خیر آبادی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور ان کی درس گاہِ فیض بار سے معقولات و ادبیات میں خوب کمال حاصل کیا۔

رام پور سے فارغ التحصیل ہوئے تو آپ کی شادی ہوگئی، اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۱۸، ۱۹ سال تھی۔ لیکن مزید طلب علم کے ذوق و شوق نے بہت زیادہ دنوں تک وطن عزیز سہارن پور میں رہنے نہیں دیا۔

ان دنوں دہلی کا بڑا شہرہ تھا؛ کیوں کہ وہاں یگانہ روزگار علما، ادبا، صلحا اور اطبا اپنے علوم و فنون کے گہر ہائے گراں مایہ لٹانے میں مصروف تھے، اور دور دراز سے تشنگان علوم و فنون کشاں کشاں دہلی آرہے تھے اور شب و روز اپنے خالی کشکول بھرنے میں لگے ہوئے تھے، اس لیے آپ نے ۱۸۳۸ء میں دہلی کا رخ کیا اور وہاں کے مشہور و معروف عالم دین شاہ احمد سعید عمری مجددی اور جلیل القدر فاضل آخوند (استاذ) شیر محمد ولایتی سے علم حدیث کی تحصیل فرمائی۔

اور دہلی میں علما و ادبا کے سرخیل صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ جیسے صاحب بصیرت ادیب سے اکتساب فیض کیا اور ان کی علمی مجلسوں میں حاضر ہوئے جس سے آپ کی فکر و نظر میں وسعت پیدا ہوگئی، علمی ذوق میں پختگی آگئی اور سخن فہمی و سخن شناسی کا ملکہ حاصل ہوگیا۔

مولانا امام بخش صہبائی، حکیم مومن خان مومن (متوفیٰ ۱۲۶۸ھ)، مرزا اسد اللہ خان غالب (متوفیٰ ۱۲۸۵ھ) اور خاقانی ہند ابراہیم ذوق دہلوی (۱۲۷۱ھ) وغیرہ کی شعری و ادبی محفلوں میں شریک رہے۔ آپ نے شاعری میں مولانا امام بخش صہبائی کی شاگردی اختیار کی۔ اور دہلی کے ایک نامور طبیب حکیم امام الدین خاں صاحب کے پاس طب کی چند کتابیں پڑھیں اور فن طبابت میں مہارت حاصل کی۔

میدان عمل:

تحصیل علم سے فراغت کے بعد دہلی میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور طلبہ کو ادب و طب کی کتابیں پڑھانے لگے۔ اسی زمانے میں سر سید احمد خاں نے آپ سے ''مقامات حریری'' کے چند مقامات اور ''سبع معلقہ'' کے چند قصائد پڑھے۔ اس وقت آپ کی عمر صرف تیس سال تھی اور سر سید احمد خاں دہلی میں صدر امین تھے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء میں آپ نے دہلی کو خیر باد کہہ دیا اور اپنے وطن عزیز سہارن پور چلے آئے، یہاں اپنا مَطَب قائم کیا اور مریضوں کے علاج معالجے میں لگ گئے، لیکن اس پیشے اور اس کی آمدنی سے آپ بہت زیادہ مطمئن نہیں تھے اور نہ ہی اس میدان میں آپ کوئی خاص کامیابی حاصل ہوسکی۔

سر سید احمد خاں جو آپ سے دہلی میں استفادہ کر چکے تھے اور آپ کی قدر و قیمت سے بخوبی آشنا تھے، جب انھیں معلوم ہوا کہ مولانا

موصوف درس وتدریس اور تعلیم وتعلم سے کنارہ کش ہوکر مَطَب چلا رہے ہیں تو انھوں نے ۱۸۶۱ء میں آپ کو ''سائنٹفیک سوسائٹی'' میں کام کرنے کے لیے غازی پور بلا لیا اور ترجمہ نگاری کا کام سپرد کر دیا۔

جب سرسید احمد خاں کا ٹرانسفر علی گڑھ ہو گیا تو مولانا موصوف بھی ان کے ساتھ علی گڑھ آ گئے اور تصنیف وتالیف میں ان کا ہاتھ بٹانے لگے، اور عربی کی چند کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ بعض اہلِ علم کا بیان ہے کہ سرسید احمد خاں کی فارسی کتابیں ''تاریخ فیروز شاہی'' اور ''تزک جہاں گیری'' کی تصحیح وترتیب اور طباعت واشاعت میں مولانا سہارن پوری کا بڑا دخل ہے، بلکہ وہ انھیں کی علمی کاوشوں کی مرہون منت ہیں۔

لاہور میں:

ڈاکٹر لائٹنر (LEITNER) کی سرپرستی میں علوم مشرقیہ کی تعلیم کے لیے لاہور میں اورینٹل کالج کا قیام عمل میں آیا تو اس نے عربی زبان وادب کی تعلیم کے آپ (مولانا فیض الحسن صاحب) کی خدمات حاصل کر لیں اور اس طرح آپ ۱۸۷۰ء کے اوائل میں بحیثیت صدر شعبۂ عربی ادب وسپرنٹنڈنٹ تحقیق وتصنیف اورینٹل کالج لاہور چلے گئے۔

وہاں جانے کے بعد آپ کے علمی جواہر درخشاں وتابندہ ہوئے اور آپ دنیائے علم وادب میں گوہر شب چراغ بن کر ابھرے۔ آپ کی علمی وتدریسی صلاحیت وقابلیت کی شہرت دور دراز علاقوں تک پہنچنے لگی اور یوپی، بہار، ریاستہائے راجپوتانہ اور حیدرآباد دکن تک سے تشنگانِ علم اپنی پیاس بجھانے کے لیے لاہور کا رخ کرنے لگے اور ایسا ہونا ہی تھا؛ کیوں کہ آپ عربی زبان وادب میں امامت کے درجہ پر فائز تھے۔

آپ نے غیر منقسم ہندوستان کی دینی درس گاہوں میں تعلیمی انقلاب پیدا کر دیا، عربی زبان وادب کی تدریس میں نمایاں تبدیلیاں کیں اور مدارس اسلامیہ میں متاخرین شعرا کی کتابوں کے بجائے قدیم شعرا کی کتابوں کو شامل نصاب کیا، دیوان حماسہ کا درس آپ ہی نے رائج کیا۔ اور اس کی تعلیم وتدریس کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ ہندوستانی طلبہ کی آسانی کے لیے ۱۲۹۴ھ میں ''الفیضی'' کے نام سے اس کی ایک مبسوط شرح لکھی، جو دیوان حماسہ کی تمام شرحوں میں سب سے عمدہ اور بہتر ہے۔ مولانا موصوف نے اس میں ہر شاعر کا پورا نام، اس کا حسب ونسب، شعر کا قافیہ اور اس سے وابستہ واقعہ کا پس منظر اور مفردات کی خوب تشریح کی ہے۔ پھر سلیس عربی میں ہر شعر کا مطلب بیان کیا ہے اور ساتھ ہی بعض دیگر شرحوں کے عیوب ونقائص اور ان کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔ (۱)

حکیم عبدالحئی رائے بریلوی ''دیوان حماسہ'' کی متعدد شرحوں کا تذکرہ کرنے کے بعد مولانا موصوف کی شرح سے متعلق اس طرح رقم طراز ہیں:

''شرح دیوان حماسہ، مصنفہ شیخ فیض الحسن سہارن پوری، دیوان حماسہ کی سب سے بہتر شرح ہے۔ مصنف نے اس میں تبریزی کی شرحِ حماسہ کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے''۔ (اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، ص ۸۷)

لاہور میں مولانا کا قیام ''بازار حکیماں'' میں تھا۔ وہاں آپ اپنا مطب بھی چلاتے تھے۔ اور اورینٹل کالج سے شائع ہونے والے عربی ماہنامہ ''شفاء الصدور'' کے لیے علمی وتحقیقی مقالات بھی تحریر فرماتے تھے، بلکہ یوں کہیے کہ اس کی ادارت کے فرائض آپ ہی انجام دیتے تھے۔

آپ کی مصروفیات:

آپ کی زندگی بڑی مصروف زندگی تھی، کالج کے اوقات میں پابندی کے ساتھ کالج کے طلبہ کو پڑھاتے، شام کے وقت اپنے مطب پر بیماروں کا علاج کرتے، اور دوسرے اوقات میں ان تشنگان علوم کو سیراب کرتے جو کسی وجہ سے کالج میں جا کر اپنی علمی پیاس بجھانے سے قاصر ہوتے تھے۔ گویا آپ کا سارا وقت انسانوں کے روحانی وجسمانی علاج اور خدمت خلق میں صرف ہوتا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ آپ راستہ چلتے رہتے تھے اور اس وقت بھی آپ کا چشمۂ علم ابلتا رہتا تھا جس سے علم وفن کے تشنہ لب سیراب ہوتے رہتے تھے۔ مولانا شبلی نعمانی نے اپنی علمی وادبی تشنگی اسی طرح دور کی، کہ مولانا موصوف کالج جانے کے لیے اپنی قیام گاہ سے باہر تشریف لاتے تو مولانا شبلی نعمانی آپ کے ہمراہ ہو جاتے اور راستے

---

(۱) یہ شرح ۱۸۷۷ء میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے فارسی رسم الخط میں شائع ہوئی تھی، لیکن اس میں پروف ریڈنگ کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی جس کی وجہ سے اس میں بہت سی غلطیاں در آئی ہیں۔ مکتبۃ الملک فہد الوطنیۃ، الریاض سے یہ شرح چھپ رہی ہے، لیکن یہاں مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہے۔ مگر اب اہل علم کے لیے مسرت کی بات ہے کہ مجلسِ برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ کے زیر اہتمام اس کی تصحیح وتزئین کا کام شروع ہو گیا ہے اور امید ہے کہ جلد ہی یہ نایاب وبے مثال شرح مارکیٹ میں آجائے گی۔

بھر ادبیات کا درس لیتے رہتے، یوں ہی جب کالج سے واپسی ہوتی تو یہی سلسلہ جاری ہوجاتا۔ چنانچہ مولوی سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''مولانا فیض الحسن سہارن پوری مرحوم کالج میں ملازم تھے، اس لیے زیادہ وقت وہیں صرف ہوجاتا، بقیہ وقت بھی خالی نہ تھا؛ کیوں کہ متعدد ایسے اشخاص اس وقت استفادہ کررہے تھے جن کا کالج سے کوئی تعلق نہ تھا، اور ہر ایک کے اوقات مقرر تھے، اس ماحول میں اگر کوئی اور استاذ ہوتا تو مولانا شبلی جیسے فارغ التحصیل طالب علم کو درس دینے سے یقیناً انکار کردیتا۔ اور مولانا کے بجائے کوئی دوسرا طالب علم اسی استعداد کا ہوتا جس کو ان ہی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تو ہرگز غریب الوطنی کی مشقت برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا؛ مگر ایک طرف تو مولانا شبلی کا عزم راسخ بے نیل مرام واپس آنے کی اجازت نہیں دیتا تھا، دوسری طرف مولانا فیض الحسن صاحب کا ذوق افاضہ ایسے مشتاق و مستعد طالب علم کو محروم دیکھنا گوارہ نہ کرتا تھا۔ آخر کار یہ طے ہوا کہ مکان سے کالج تک کی مسافت طے کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے اسی میں مولانا ادبیات کا درس لیا کریں، یعنی آنے جانے میں معلم یا متعلم کا جو قدم اٹھے وہ بھی افادہ واستفادۂ علم سے خالی نہ ہو . . . مولانا (شبلی نعمانی) کے لیے مولانا فیض الحسن صاحب کی یہ صحبت بہت موثر ثابت ہوئی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اسی درس نے مولانا میں عربی علم ادب کا صحیح مذاق حد کمال کو پہنچایا''۔ (حیاتِ شبلی، ص ۹۶، ۹۷)

علم وفضل:

مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری سادہ مزاج، مگر ظریف، بذلہ سنج، حاضر جواب اور باغ وبہار طبیعت کے مالک تھے۔ عربی زبان کے فطری ادیب تھے، گویا عربیت کا ذوق وشوق ان کے گوشت وپوست اور دل ودماغ میں رچا بسا ہوا تھا۔ آپ اپنے زمانے کے ابوعبیدہ اور اصمعی سمجھے جاتے تھے۔ شیخ نذیر حسین، مدیر دائرۂ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''مولانا فیض الحسن سہارن پوری، فیروز آبادی کی قاموس المحیط کے حافظ تھے، کتاب الاغانی کی روایات انھیں ازبر تھیں، عربی لغت کے علاوہ ایام عرب اور انسابِ عرب سے جیسی انھیں واقفیت تھی ویسی کم ترکسی معاصر ادیب کو حاصل ہوگی۔ جاہلی عربوں کے رسوم ورواج اور عادات خصائل پر بھی ان کی نظر گہری تھی۔

لاہور میں بعض اہل علم بتاتے ہیں کہ جب مولوی صاحب قرآن پاک کی یہ آیت '' وقیل یا ارض ابلعی مائك و یا سماء اقلعی و غیض الماء و قضی الامر واستوت علی الجودی وقیل بعدا للقوم الظالمین'' (سورہ ہود ۴۳) پڑھتے تھے تو ان پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی، وہ شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمۂ قرآن ''موضح القرآن'' کے بے حد مداح اور قدردان تھے، دیوان حماسہ کے بعد اسے سبقاً سبقاً پڑھایا کرتے تھے''۔ (معارف اعظم گڑھ، ص ۲۰۳، ماہ ستمبر ۱۹۹۰ء)

مولوی سلیمان ندوی آپ کے تعلق سے ''حیاتِ شبلی'' میں اس طرح لکھتے ہیں:

''مولانا فیض الحسن صاحب کا سب سے بڑا فیض قرآن پاک کی معجزانہ فصاحت وبلاغت کی نکتہ شناسی تھی۔ مولانا فیض الحسن صاحب اسی اصول سے قرآن پاک کا بامحاورہ اردو ترجمہ اپنے خاص طالب علموں کو پڑھاتے اور فصاحت وبلاغت کے نکتے بتاتے تھے''۔ (حیاتِ شبلی، ص ۹۸)

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی ''یادرفتگاں'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مولوی فیض الحسن صاحب اس زمانے کے اصمعی اور ابوتمام سمجھے جاتے تھے، ہندوستان کے پورے اسلامی دور میں قاضی عبدالمقتدر کے سوا یہی ایک فرد تھا جو عربی شاعری کا صحیح مذاق رکھتا تھا۔ ان کی شرح حماسہ اور دیگر ادبی تصنیفات اس کی شاہد عدل ہیں۔ اور ان کا عربی دیوان بھی چھپ چکا ہے جو اہل زبان کی ٹکر کا ہے''۔ (ذکر فراہی، ص ۱۳۸)

مولانا موصوف نے ۱۸۷۱ء میں ''سنین اسلام'' {اسلام کی سیاسی وعلمی تاریخ، جو دو جلدوں میں ہے} کی تالیف میں ڈاکٹر لائٹنر (LEITNER) کا خوب علمی تعاون کیا، اور حکومت وقت نے مولانا کی تعلیمی، تحریری اور ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں '' شمس العلما'' کا خطاب دیا۔

بزم شعر وسخن:

مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری گوناگوں مصروفیات اور ہمہ جہت فضائل وکمالات کے ساتھ شعر وسخن سے بھی کافی شغف رکھتے تھے

اور سخنورانِ دہلی کی علمی وادبی محفلوں میں شرکت اور مولانا امام بخش صہبائی کی اصلاح وتربیت نے آپ کو قادرالکلام شاعر بنا یا دیا تھا۔آپ اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ان کے اردو کلام کا مجموعہ ''گلزار فیض'' ہے۔اور فارسی دیوان کا نام ''نسیم فیض'' ہے،ان دونوں کتابوں کی اشاعت مولوی رشید احمد کے ذریعہ عمل میں آچکی ہے۔اور ان کے عربی اشعار کا مجموعہ ''دیوان الفیض'' کے نام سے مولانا حمید الدین فراہی نے ۱۳۳۴ھ میں حیدرآباد دکن سے شائع کیا ہے۔

حکیم عبدالحئ رائے بریلوی آپ کے تعلق سے اس طرح لکھتے ہیں: مولانا فیض الحسن سہارن پوری عربی زبان وادب کے کامیاب شعرا میں تھے،فنون ادبیہ میں ان کے مثل کوئی نہیں تھا.حماسہ ومعلقات اور بعض دوسری کتابوں پر ان کی شرحیں ہیں،ایام عرب پر بھی ایک کتاب ہے اور ایک عربی دیوان ہے۔ان کے اشعار کا نمونہ درج ذیل ہے:

ما لی بذی الأرض من وال ولا واق	ولا طیب و لا اس و لا راق
ولا حمیم و لا جار و لا سکن	و لا ندیم و لا کاس و لا ساق
أبکی علی بکاء غیر منقطع	فلینظر الناس أجفانی و اٰماقی
عمی دار سلمی ، فاسلمی ثمة اسلمی	و ان لم تحرمنی و ان لم تکلمی
سقاك غمام ما بقیت هواطل	و آخر دعوانا انعمی ثمة انعمی
هل اتی أن یتوب قلب طروب	عن ملاه یهتز فیها قلوب
عن حسان نواعم وقیان	عازفات و کل ما فیه حوب
کل ما فیه مطمع لشباب	اشربوا فی قلوبهم ما یطیب

(اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں،ص ۷۲، ۷۳)

شیخ نذیر حسین، مدیر اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور مولانا فیض الحسن صاحب کی شاعری سے متعلق اپنے ایک مضمون بعنوان ''مولوی فیض الحسن سہارن پوری عربی زبان کے ادیب وشاعر'' میں اس طرح رقم طراز ہیں:

''ان کا اردو کلام ''گلزار فیض'' اور فارسی دیوان ''نسیم فیض'' کے نام سے ان کے خلف الرشید مولوی رشید احمد نے چھپوایا تھا۔ان کا اردو اور فارسی کلام پرانی طرز کا ہے اور اس میں کوئی خاص جدت اور ندرت نہیں، بیشتر قصائد حمد ونعت کے علاوہ حاکمان وقت اور رؤسائے ملک کی مدح میں لکھے گئے ہیں۔

مولانا فیض الحسن کی ادبی شہرت کا ضامن ان کا عربی کلام ہے جسے مولانا حمید الدین فراہی نے ''دیوان الفیض'' کے نام سے مرتب کر کے حیدرآباد دکن سے ۱۳۳۴ھ میں شائع کیا تھا۔ان کی شاعری کا موضوع حمد،نعت،مراثی اور مدح وغیرہ ہیں۔مولانا نے ان قصائد میں شعرائے جاہلیت کا تتبع کیا ہے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک زمانۂ جاہلیت کی شاعری ہی عربی شاعری کی معراج ہے۔ان قصائد میں سب سے پہلے محبوبہ کے فراق اور اس کی فرودگاہ کے شکستہ آثار کا ذکر ہے اور اس کے بعد تشبیب آتی ہے۔

مدحیہ قصائد نواب شاہ جہاں بیگم،نواب صدیق حسن خاں بھوپال،نواب کلب علی خاں رام پور اور سلطان عبدالحمید خاں ترکی کے نام ہیں۔ انھوں نے اپنی والدہ،مولوی احمد علی محدث سہارن پوری اور مولوی فضل حق خیرآبادی کے بھی مرثیے لکھے ہیں۔ان قصائد سے مولانا کی حیرت انگیز قادرالکلامی،عربی محاوروں اور ان کی ترکیبوں پر اہل زبان جیسی قدرت کا پتہ چلتا ہے''۔(معارف اعظم گڑھ،ص ۲۰۴، ماہ ستمبر ۱۹۹۰ء)

ارباب فکر ودانش کی نظر میں:

صاحبِ ''تقدیس الوکیل عن توهین الرشید والخلیل'' حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۱۵ھ) کے پاس جب ''انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ'' تقریظ لکھنے کے لیے پیش کی گئی تو اس وقت آپ نے اپنی مصروفیات کا تذکرہ کرنے کے بعد اس طرح تحریر فرمایا:

''فقیر نے اخبار عربی ''شفاء الصدور'' مطبوعہ پانچویں دسمبر ۱۸۸۵ء میں جناب مولانا فیض الحسن صاحب مرحوم ومغفور سہارن پوری کی عبارت دیکھی ہے، انھوں نے اس رسالہ کی عمدہ تعریف وتوصیف لکھی ہے، اور میرے گمان میں مولانا موصوف مرحوم اکابر علماے ہندوستان سے تھے اور بڑے بڑے بزرگوار صوفیاے کبار کے فیض سے فیضیاب تھے۔ان کی تعریف سے اس رسالہ کا موصوف ہونا کافی ہے''۔(انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ،ص ۳۹۱)

صاحب ''انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ'' حضرت مولانا عبدالسمیع بے دل سہارن پوری علیہ الرحمہ (متوفیٰ ۱۳۱۷ھ) آپ کی بیش قیمت تقریظ کی پیشانی پر اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''صورة مانمقه وهذبه مولانا المخدوم المطاع ، إمام الفضلاء بلا نزاع ، الغشمشم الأعظم ، وا لغطمطم الأفخم ، المالك لأزمة حقائق المعانی والبدیع والبیان ، سبّاق الغایات فی مضمار کشف المعضلات یوم البرهان ، مقدام الجهابذ ، أستاذ الأساتذ ، الذی زان وجوده الزمن ، الحاج المولوی فیض الحسن خصه الله تعالی بجزائل منحاته و جلائل المنن''.(انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ،ص ۳۹۰)

مولوی سلیمان ندوی آپ کے تعلق سے ''حیاتِ شبلی'' میں اس طرح لکھتے ہیں:

''مولانا فیض الحسن سہارن پوری، پروفیسر اورینٹل کالج، لاہور اس پایہ کے ادیب تھے کہ خاک ہند نے صدیوں میں شاید ہی کوئی اتنا بڑا امام الادب پیدا کیا ہو''۔(حیاتِ شبلی،ص ۹۵)

اور مولوی شبلی نعمانی نے آپ کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر جو مرثیہ قلم بند کیا اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا فیض الحسن سہارن پوری صاحب علوم وفنون میں کس شان کے حامل تھے، اور مولانا شبلی نعمانی کے دل میں اپنے اس استاذ کی کتنی عظمت واہمیت تھی۔اس مرثیہ کے بعض اشعار درج ذیل ہیں:

دریں آشوب غم عذرم بنہ گر نالہ زن گریم — جہانے را جگر خوں شد ہمی تنہا نہ من گریم
بہ تحسین صبوری چند بفریبی مرا ناصح — دمے بگذار تا در ماتمِ فیض الحسن گریم
بہ مرگش علم وفن در نالہ با من ہم نوا با شد — ہنر بر خویشتن گرید چو من بر خویشتن گریم
گہے بے خود بہ برہم گشتنِ بزم ہنر نالم — گہے بے خویش بر روز سیاہِ علم وفن گریم

نہ گویم من تو خود انصاف دہ تا از کہ می آید — عرب را زندہ کردن وآن گہ از ہندوستاں بودن
بہ آئین دری بر جادۂ پیشینیاں رفتن — بہ آہنگ حجازی یادگار پاستاں بودن
(حیات شبلی،ص ۹۸)

معمولات ومعتقدات:

مولانا فیض الحسن سہارن پوری بڑے نیک، متواضع اور خوش اخلاق انسان تھے۔مصطفی جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔شب جمعہ میں ساری رات بیدار رہتے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا کرتے تھے۔اور بقول شیخ نذیر حسین مدیر اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ''جس تخت پر بیٹھ کر (درود شریف) پڑھا کرتے تھے، ان کی وفات کے بعد بھی اس میں سے ایک عرصہ تک خوش بو آتی رہی''۔(معارف اعظم گڑھ،ص ۲۰۳، ماہ ستمبر ۱۹۹۰ء)

آپ مسلک حق اہلِ سنت وجماعت پر کاربند تھے، اور اپنے وقت کے مشہور ومعروف مرشدِ طریقت، شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ فاروقی، چشتی، تھانوی، مہاجر مکی علیہ الرحمۃ والرضوان (متوفیٰ ۱۳۱۷ھ) سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے۔آپ کے معمولات ومعتقدات وہی تھے جس کی تعلیم مختار کائنات، فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام کو دی اور انھوں نے بلا کم وکاست اپنے بعد

والوں کو دی، اور اس طرح سلسلہ بسلسلہ وہ تعلیم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم تک پہنچی۔

آپ محفلِ میلاد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو مستحسن اور باعث خیر و برکت جانتے تھے۔ اور ذکر ولادت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قیام کو مستحب قرار دیتے تھے۔ شیرینی اور کھانے پر فاتحہ دلانا جائز اور مسلمان مرحومین کی ارواح کو ایصالِ ثواب کرنا حق و درست مانتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا عبدالسمیع بے دل سہارن پوری (متوفی ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء) خلیفہ مولانا حاجی امداد اللہ، مہاجر مکی (متوفی ۱۳۱۷ھ) رحمہا اللہ تعالیٰ نے جب میلاد و فاتحہ اور قیام تعظیمی سے متعلق ایک مستند و مفصل کتاب بنام ''انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ'' تصنیف فرمائی تو آپ (مولانا فیض الحسن سہارن پوری) نے اس کی پرزور تائید و تصدیق کی اور اس کتاب پر درج ذیل تقریظ تحریر فرمائی:

''لقد وردت علی رسالة کریمة مشتملة علی أنوار ولمعات ، فأمعنت فیها إمعانا بلیغا فوجد تها کافیة وافیة دالّة علی حسن الإجابة ، وجودة الإصابة ، وسعة النظرفی الکتب حیث تمسك فیهابأقوال العلماء الأعلام ، وتحریرات عمائد الإسلام ، وألزم المنکرین بما قال به مرشدوهم ، وآمن به معتقدوهم .واللہ إنّها قرة لعیون المخلصین ،وسخنة لأعیان المنکرین ، والحق فی هٰذه المسئلة أنه لاباس به ، و إن تمسك بما قیل ''ما رآه المسلمون حسنا فهو عند اللہ حسن''و ینسب هٰذا القول إلی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنه فهو مندوب مستحب ، ومن جاء مجلسه فله أن یقوم إن قاموا وإلا فلا، وهٰکذا یقول المولوی أحمد علی المحدث المرحوم تبعا لأ ستاذه مولانا محمد إسحاق المغفور. وما قیل:إنه بدعة .فهو بدعة حسنة ، و قد ذکرت فی إثبات البدعة الحسنة وتخصیص ''کل بدعة ضلالة ''بحثا طو یلا فی شرحی للمشکاة ''.(انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ، ص ۳۹۰)

{ترجمۂ تقریظ از صاحبِ انوار ساطعہ} پہنچا مجھ کو ایک رسالہ بزرگی والا جس میں انوار و لمعات ہیں۔ میں نے اس کو گہری نظر سے خوب دیکھا تو یہ پایا کہ رسالہ کافی ہے اور پورا اثبات ہے۔ منکرین کے خدشوں کا اچھا جواب دیا اور خوب حق کو پہنچا۔ اور مؤلف کی نظر بہت وسیع ہے کتابوں پر، جو سند پکڑی ہے بڑے بڑے علما کے قولوں اور اسلام کے مقبولین کی تحریروں سے، اور الزام دیا منکروں کو ان کے مرشدوں اور مانے ہوئے پیشواؤں کے اقوال مسلّمہ سے۔ واللہ یہ رسالہ مخلصین کی آنکھوں کی روشنی ہے اور منکرین کی آنکھوں کو گرم کرنے والا ہے۔ اور حق الامر یہ ہے کہ مولود شریف میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور اگر سند پکڑی جائے اس قول سے کہ ''جس بات کو اہل اسلام پسند کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی پسند ہوتی ہے''۔ اور یہ روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، تو مولود شریف مستحب ہے۔ اور جو کوئی اس مجلس میں آوے، جب سب کھڑے ہوں، وہ بھی کھڑا ہو، اور اگر کوئی نہ اٹھے تو یہ بھی نہ اٹھے۔ مولوی احمد علی محدث مرحوم بھی ایسا ہی کہتے تھے، اور ان کے استاذ مولوی محمد اسحاق مرحوم سے ان کو اسی طرح تعلیم ہوئی تھی۔ اور یہ جو اس عمل کو بدعت کہتے ہیں، مراد بدعتِ حسنہ ہے، اور بدعتِ حسنہ کا ثبوت میں نے شرحِ مشکاۃ میں بہت لمبے چوڑے دلائل سے لکھا ہے۔

تصنیفات و تالیفات:

آپ نے درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور اس میدان میں اپنی خداداد صلاحیتوں کا بہتر استعمال کیا۔ درج ذیل کتابیں ان کی یادگار ہیں۔

(۱) حلّ ابیاتِ بیضاوی۔ امام بیضاوی نے اپنی مشہور و معروف تفسیر '' أنوار التنزیل و أسرار التاو یل'' میں قرآن پاک کے معانی کی تشریح میں بطور تائید کلام عرب سے شواہد پیش کیے ہیں۔ مولانا موصوف نے ان شواہد کی تشریح و توضیح کی ہے۔ ایک سو بیس صفحات کا یہ مفید رسالہ ۱۲۷۰ھ میں دہلی سے شائع ہوا۔

(۲) التعلیقات علی تفسیر الجلالین (حاشیۂ تفسیر جلالین)۔ اس حاشیہ میں امام جلال الدین محمد بن احمد محلی اور امام جلال الدین عبدالرحمن بن ابوبکر سیوطی کی مختصر مگر جامع تفسیر معروف بہ '' تفسیر جلالین'' میں وارد مشکل مفردات اور تراکیب کو بحسن و خوبی حل کیا گیا ہے۔ یہ حاشیہ ۱۸۷۰ء میں علی گڑھ سے چھپا ہے۔ اور اس وقت مکتبہ الملک فہد الوطنیہ، ریاض کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔

(۳) ضوء المشکاۃ ۔اس سے متعلق شیخ نذیر حسین کہتے ہیں کہ یہ ’’ مشکاۃ المصابیح‘‘ کا لغوی اور نحوی حاشیہ ہے جو ابھی تک شائع نہیں ہوسکا ہے۔اس کا قلمی نسخہ ’’ٹونک‘‘ میں موجود ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ مشکاۃ المصابیح کی شرح ہے؛ کیوں کہ مولانا فیض الحسن صاحب خود ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

قد ذکرت فی إثبات البدعۃالحسنۃ وتخصیص ’’ کل بدعۃ ضلالۃ ‘‘بحثا طو یلا فی شرحی للمشکا‘‘. یعنی میں نے ’’بدعتِ حسنہ‘‘ کے اثبات اور ’’کل بدعۃ ضلالۃ ‘‘ کی تخصیص کے سلسلے میں اپنی ’’شرح مشکاۃ‘‘ میں بہت تفصیلی بحث کی ہے۔ (انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ،ص ۳۹۰)

(۴) الفیضی (شرح دیوان حماسہ)۔یہ دیوان حماسہ کی تمام شرحوں میں سب سے عمدہ اور بہتر شرح ہے۔اس میں ہر شاعر کا پورا نام، اس کا حسب ونسب،شعر کا قافیہ اور اس سے وابستہ واقعہ کا پس منظر اور مفردات کی خوب تشریح کی گئی ہے۔پھر سلیس عربی میں ہر شعر کا مطلب بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی بعض دیگر شرحوں کے عیوب ونقائص اور ان کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔یہ شرح ۱۸۷۷ء میں مطبع نول کشور، لکھنؤ سے فارسی رسم الخط میں شائع ہوئی تھی،لیکن اس میں پروف ریڈنگ کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی جس کی وجہ سے اس میں بہت سی غلطیاں در آئی ہیں۔مکتبۃ الملک فہد الوطنیۃ ،الریاض کی ویب سائٹ پر یہ کتاب موجود ہے۔اور انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد مجلسِ برکات جامعہ اشرفیہ،مبارک پور، اعظم گڑھ سے نئے رنگ وآہنگ کے ساتھ مارکیٹ میں آجائے گی۔

(۵) ریاض الفیض (شرح سبع معلقہ)۔یہ شرح عربی،اردو،فارسی تینوں زبانوں میں ہے۔شرح دیوان حماسہ کی طرح اس میں بھی شعر کے بحر وقافیہ کا ذکر،شاعر کے حسب ونسب کا بیان،مفردات کی صرفی ونحوی تشریح،عربوں کے رسوم ورواج پر تفصیلی بحث اور شعر کا سلیس ترجمہ نرالے انداز میں کیا گیا ہے۔یہ شرح ۱۸۸۲ء میں لاہور سے شائع ہوچکی ہے۔اس سے متعلق حکیم عبدالحئ رائے بریلوی اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں:’’سبع معلقہ کی سب سے عمدہ اور مفید شرح مولانا فیض الحسن سہارن پوری کی شرح سبع معلقہ ہے‘‘۔(اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں،ص ۸۰)

(۶) دیوان حسّان کی ترتیب ۔ڈاکٹر لائٹنر (LEITNER) کی فرمائش پر مولانا فیض الحسن صاحب نے صحابی رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام کا یہ مجموعہ مرتب فرمایا اور ۱۸۷۸ء میں لاہور سے شائع کیا۔اس میں ایام عرب کی تفصیل اور کتاب کے دائیں بائیں تشریحی حواشی بھی ہیں۔

(۶) دیوان الفیض۔یہ مولانا کے عربی کلام کا مجموعہ ہے۔اسے ان کے شاگرد مولانا حمید الدین فراہی نے ۱۳۳۴ھ میں حیدرآباد دکن سے چھپوایا ہے۔اس دیوان کے قصائد سے مولانا کی حیرت انگیز قادرالکلامی،عربی محاوروں اور ان کی ترکیبوں پر اہل زبان جیسی قدرت کا پتہ چلتا ہے۔

(۷) گلزار فیض۔یہ ان کے اردو کلام کا مجموعہ ہے۔(۸) نسیم فیض۔یہ فارسی کلام کا مجموعہ ہے۔یہ دونوں مجموعۂ کلام مولوی رشید احمد کے توسط سے چھپ چکے ہیں۔(۹) فیضیہ {علم مناظرہ،اردو}۔(۱۰) رشیدیہ۔(۱۱) عروض المفتاح۔(۱۲) تحفۂ صدیقیہ۔ (۱۳) حدیث ام زرع (سات سہیلیوں کی کہانیاں)۔(۱۴) شرح خطبۂ قاموس المحیط۔(۱۵) ان کتابوں کے علاوہ متعدد عربی مقالات بھی آپ نے تحریر فرمائے ہیں جو اورینٹل کالج لاہور کے عربی ماہ نامہ ’’ شفاء الصدور‘‘ میں چھپے ہیں۔

مشہور ومعروف اساتذہ:

(۱) علامہ فضل حق خیرآبادی۔(۲) صدرالصدور مفتی صدرالدین آزردہ۔(۳) شاہ احمد سعید عمری مجددی۔(۴) آخون شیر محمد ولایتی۔ (۵) مولانا امام بخش صہبائی۔(۶) حکیم امام الدین خاں۔(۷) حافظ علی بخش ابن خدا بخش حنفی۔

مشہور ومعروف تلامذہ:

(۱) امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ۔(۲) مولانا اصغر علی روحی۔(۳) مفتی عبداللہ ٹونکی۔(۴) سر سید احمد خاں۔(۵) مولانا شبلی نعمانی۔(۶) مولانا حمید الدین فراہی۔

وفات ومدفن:

مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری اورینٹل کالج لاہور میں ۱۷/برس تک تدریسی وتصنیفی خدمات سرانجام دینے کے بعد ۱۳۰۴ھ/مطابق ۶/فروری ۱۸۸۷ء میں اپنے مقربین ومتوسلین اور عربی علم وادب کا سچا ذوق وشوق رکھنے والوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ان کی وصیت کے مطابق ان کا جنازہ تابوت میں رکھ کر بذریعۂ ریل سہارن پور لایا گیا اور وہیں تدفین ہوئی۔

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے شانِ کریمی حشر میں ناز برداری کرے

امام الادب مولانا فیض الحسن سہارن پوری کے پیرومرشد حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ

ولادت اور تعلیم وتربیت:

شیخ المشائخ حضرت مولانا الحاج امداد اللہ فاروقی چشتی ۲۲/صفر المظفر ۱۲۲۳ھ بروز دوشنبہ نانوتہ،ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی۔حصن حصین اور مثنوی مولانا جلال الدین رومی مولانا قلندر بخش جلال آبادی سے پڑھیں، پھر دہلی گئے اور مولانا نصیر الدین شافعی کے درس میں پابندی کے ساتھ حاضر رہ کر طریقت وتصوف کی تعلیم پائی۔ان کے انتقال کے بعد قصبہ تھانہ بھون،ضلع مظفر نگر آ کر سکونت اختیار کر لی۔پھر لوہاری آئے اور میاں جی شیخ نور محمد جھنجھانوی چشتی سے طریقت وتصوف کی تعلیم وتربیت حاصل کی اور انھیں سے بیعت ہو گئے،اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

آپ سلسلۂ چشتیہ کے ایک زبردست شیخ ومرشد کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔اللہ جل شانہ نے لوگوں کے دل آپ کی طرف موڑ دیے اور آپ کو قبول عام حاصل ہوا۔عوام وخواص جوق در جوق آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔اور آپ کی ذات سے برصغیر میں سلسلۂ صابریہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

حجاز مقدس میں:

جب ہندوستان کے حالات آپ کے حق میں ناموافق ہوئے تو حجاز مقدس ہجرت کر گئے،اور ۱۲۷۶ھ میں مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ابتدائی ایام سخت تنگی اور فقر وفاقہ کی حالت میں بسر کیے، پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا آپ کے قدموں میں ڈال دی،اور تنگ دستی خوش حالی میں بدل گئی۔

معتقدات ومعمولات:

آپ پورے طور پر اہل سنت کے عقائد وافکار اور مشائخ طریقت کے معمولات ومراسم پر کاربند اور عمل پیرا تھے،جس پر آپ کی تصانیف شاہد ہیں،خصوصا ضیاء القلوب اور فیصلۂ ہفت مسئلہ،کیوں کہ پہلی کتاب میں مشائخ چشتیہ،قادریہ،نقش بندیہ اور سہروردیہ کے اوراد ووظائف اور اشغال واذکار ومراقبات کو بیان کیا ہے۔اور دوسری کتاب میں میلاد شریف،فاتحہ،عرس وسماع،ندائے غیر اللہ،جماعت ثانیہ،امکان نظیر اور امکان کذب جیسے سات مسائل کا فیصلہ فرمایا ہے۔

اس میں خاص طور سے میلاد شریف کے بارے میں لکھتے ہیں: اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں، بلکہ ذریعۂ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں،اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں۔(فیصلۂ ہفت مسئلہ،مشمولہ کلیات امداد،ص ۱۰۵،مکتبہ تھانوی،دیوبند)

ان کے علاوہ{انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ}از مولانا عبد السمیع صاحب رام پوری(متوفی ۱۳۱۸ھ)۔اور{تقدیس الوکیل عن توهین الرشید والخلیل}از مولانا غلام دستگیر قصوری(متوفی ۱۳۱۵ھ)اور{الدر المنظم فی بیان حکم مولد النبی الاعظم}از شیخ الدلائل مولانا محمد عبد الحق الہ آبادی مہاجر مکی(متوفی ۱۳۳۳ھ) وغیرہ کتب اہل سنت پر آپ کی تقریظات اور تصدیقات وتائیدات بھی اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ آپ کے افکار ونظریات اور عقائد ومعمولات وہی تھے جو علما ومشائخ اہل سنت کے افکار وعقائد اور نظریات ومعمولات ہیں۔(تفصیل کے لیے دیکھیے انوار ساطعہ ، تقدیس الوکیل ، الدر المنظم)

وفات ومدفن:

۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ بروز چہارشنبہ آپ نے اس دنیا کو خیر باد کہ دیا اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، اور مکہ مکرمہ کے قبرستان جنت المعلی میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے پاس مدفون ہوئے۔

تصنیفات وتالیفات:

آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

(۱) ضیاء القلوب۔(۲) فیصلۂ ہفت مسئلہ۔(۳) ارشاد مرشد۔(۴) مثنوی تحفۃ العشاق۔(۵) بیان وحدۃ الوجود۔(۶) غذاے روح۔(۷) گل زار معرفت۔(۸) درد غمناک۔(۹) جہاد اکبر۔(۱۰) نالۂ امداد غریب۔(مقدمہ انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ)

امام الادب مولانا فیض الحسن سہارن پوری کے مشہور ومعروف اساتذہ

(۱) علامہ فضل حق خیر آبادی:

ولادت : علامہ فضل حق خیر آبادی ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء میں اپنے آبائی وطن خیر آباد میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیر آبادی (متوفی ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء) علماے عصر میں ممتاز اور علوم عقلیہ کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔دار السلطنت دہلی میں صدر الصدور کے عہدۂ جلیلہ پر فائز اور دینی ودنیوی نعمتوں سے مالا مال تھے۔

تعلیم وتربیت :

آپ کی تعلیم وتربیت والد ماجد ہی کے زیر سایہ دہلی میں ہوئی۔حضرت شاہ عبد القادر صاحب اور شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہما کی بارگاہ فیض بار سے علم حدیث کا اکتساب کیا۔۱۲۲۵ھ/ ۱۸۰۹ء میں تیرہ سال کی مختصر سی عمر میں تمام مروجہ علوم عقلیہ ونقلیہ وآلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔آپ کا حافظہ بہت قوی تھا۔صرف چار ماہ اور چند ایام میں پورا قرآن پاک حفظ کر لیا۔

بیعت وارادت:

آپ سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں حضرت مولانا شاہ دھومن دہلوی سے بیعت تھے۔مولوی فیض الحسن کہتے تھے کہ میرے استاذ مولوی فضل حق رام پوری کا بیان ہے کہ علامہ فرماتے تھے کہ میں حضرت مجدد صاحب کے سلسلے کا زیادہ معتقد نہ تھا، لیکن جب سے میں نے شاہ عبد القادر صاحب کو دیکھا اس سلسلہ کا بہت معتقد ہو گیا؛ کیوں کہ اگر وہ سلسلہ فی الواقع ناقص ہوتا تو ایسے لوگ اس سلسلے میں داخل نہ ہوتے۔ (باغی ہندوستان، سوانح علامہ فضل حق خیر آبادی، ص ۲۰۲۔المجمع الاسلامی، مبارک پور)

درس وتدریس:

ہندو بیرون ہند سے جو طلبہ مولانا فضل امام صاحب سے پڑھنے آتے، مولانا کے ارشاد کے مطابق آپ بھی انھیں پڑھاتے تھے۔تیرہ برس کی عمر اور مسند تدریس پر رونق افروزی، حلقۂ درس میں معمر وصاحب ریش تلامذہ، اور قدما کی کتابیں زیر درس، عجیب سا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے۔سچ کہا ہے کہنے والے نے: ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خداے بخشندہ

ملازمت:

۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا اس وقت علامہ کی عمر اٹھائیس (۲۸) سال تھی۔اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تھا۔دلی میں ریزیڈنٹ رہا کرتا تھا۔اس محکمہ کے سر رشتہ دار (ہیڈ کلرک) ہو گئے۔

حکیم عبد الحئ رائے بریلوی لکھتے ہیں؛

''شیخ امام، عالم کبیر، علامہ فضل حق ابن فضل امام بن محمد ارشد العمری الحنفی الماتریدی الخیر آبادی کا شمار مشہور اساتذہ میں ہے۔فنون حکمیہ

اورعلوم عربیہ میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھے۔حدیث مولانا عبدالقادر ابن ولی اللہ العمری سے پڑھی۔حفظ قرآن چار ماہ میں کیا اور تمام علوم مروجہ سے تیرہ سال کی عمر میں فارغ ہوئے۔مناظرہ وجدل، منطق وفلسفہ اور لغت وادب میں سب پر فائق تھے۔چار ہزار سے زائد اشعار کہے۔ زیادہ تر قصائد مدح نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم میں ہیں اور کچھ کفار کی سرزنش میں۔دور دور سے طلبہ حصول علم کے لیے ان کی خدمت میں آتے تھے۔درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں بڑا نام پیدا کیا''۔(باغی ہندوستان، سوانح علامہ فضل حق خیرآبادی، ص ۱۹۶، ۱۹۷۔بحوالۂ نزہۃ الخواطر، جلد ۷)

رئیس احمد جعفری ندوی لکھتے ہیں:

''مولانا فضل حق خیرآبادی ایک یگانۂ روزگار عالم تھے۔عربی زبان کے مانے ہوئے ادیب اور شاعر تھے۔علوم عقلی کے امام اور مجتہد تھے۔ اوران سب سے بالا ان کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ بہت بڑے سیاست داں، مفکر اور مدبر بھی تھے۔مسند درس پر بیٹھ کر وہ علوم وفنون کی تعلیم دیتے تھے اور ایوان حکومت میں پہنچ کر وہ دوررس فیصلے کرتے تھے۔وہ بہادر اور شجاع بھی تھے۔

غدر کے بعد نہ جانے کتنے سورما اور رزم آرا ایسے تھے جو گوشۂ عافیت کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے، لیکن مولانا فضل حق ان لوگوں میں تھے جو اپنے کیے پر نادم اور پشیماں نہیں تھے۔انھوں نے سوچ سمجھ کر میدان میں قدم رکھا تھا اور اپنے اقدام وعمل کے نتائج بھگتنے کے لیے وہ حوصلہ مندی اور دلیری کے ساتھ تیار تھے۔سراسیمگی، دہشت اور خوف ایسی چیزیں تھیں جن سے مولانا بالکل ناواقف تھے۔

مولانا کی شخصیت، سیرت، کردار اور علم وفضل پر ضرورت تھی کی ایک مفصل کتاب لکھی جاتی، لیکن وہ ایک زود فراموش قوم کے فرد تھے، فراموش کردیے گئے۔اور کچھ دنوں کے بعد لوگ حیرت سے دریافت کریں گے کہ یہ کون بزرگ تھے؟''۔

(ص ۷۶، ۷۷۔چند علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء۔از مولانا یٰسین اختر مصباحی، بحوالۂ بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، ص ۸۵۴۔مولفہ رئیس احمد جعفری ندوی۔طبع اول کتاب منزل، لاہور)

تصنیفات وتالیفات:

علامہ نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔خاص اور اہم مجبوریوں کے سوا کبھی اس سے تساہل نہ برتا۔علامہ موصوف کی تصانیف درجنوں ہیں۔ان میں مشہور کتب درج ذیل ہیں:

(۱) الجنس العالی. (۲) حاشیۂ افق المبین. (۳) حا شیۂ تلخیص الشفاء. (۴) حاشیۂ شرح سلم قاضی مبارک۔(۵) الهدية السعدية. (۶) رسالہ تشکیک ماہیات۔(۷) رسالہ کلی طبعی۔(۸) رسالہ علم ومعلوم۔(۹) الروض المجود فی تحقیق الوجود. (۱۰) رسالہ قاطی غوریاس۔(۱۱) رسالہ تحقیق حقیقۃ الاجسام۔(۱۲) رسالہ الثورۃ الھندیۃ۔(۱۳) قصائد فتنة الهند. (۱۴) مجموعة القصائد. (۱۵) امتناع النظير. (۱۶) تحقيق الفتوىٰ فی ابطال الطغوىٰ. (۱۷) شرح تهذيب الكلام.

مشہور ومعروف تلامذہ:

آپ کے تلامذہ بہت زیادہ ہیں ان میں بعض مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں: شمس العلما مولانا عبدالحق خیرآبادی (متوفی ۱۳۱۶ھ) مولانا عبدالقادر عثمانی بدایونی (متوفی ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) مولانا ہدایت اللہ رام پوری، ثم جون پوری (متوفی ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء) مولانا فیض الحسن سہارن پوری (متوفی ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء) مولانا سید عبداللہ بلگرامی (متوفی ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۸ء) مولانا ہدایت علی بریلوی (متوفی ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء) مولانا عبدالعلی خاں رام پوری (متوفی ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۶ء) مولانا نور احمد بدایونی (متوفی ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۴ء) مولانا نورالحسن کاندھلوی (متوفی ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) مولانا غلام قادر گوپاموی، مولانا قلندر علی زبیری وغیرہم۔

وفات ومدفن:

۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے دہلی پر پوری طاقت وقوت کے ساتھ حملہ کردیا اور ۱۹ ستمبر کو دہلی پر اس کا مکمل قبضہ ہوگیا۔بہادر شاہ ظفر قلعہ ہمایوں سے ۲۱ ستمبر کو گرفتار کرلیے گئے۔علامہ فضل حق خیرآبادی ۲۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو دہلی سے نکل کر کسی طرح اودھ پہنچے۔لکھنؤ میں

۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۹ء میں آپ پر مقدمہ چلا اور جزیرۂ انڈمان (کالا پانی) کی سزا ہوئی۔ اور وہیں ۱۲ر صفر ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی قبر جزیرۂ انڈمان کے ساؤتھ پائنٹ (جسے عرف عام میں نمک بھٹہ کہتے ہیں) ایک بستی میں ہے۔

(تفصیل کے مطالعہ کیجیے علامہ فضل حق خیر آبادی کی کتاب باغی ہندوستان کے ساتھ شائع سوانح علامہ فضل حق خیر آبادی، از مولانا عبد الشاہد خاں شروانی۔ المجمع الاسلامی، مبارک پور/ چند علماے انقلاب ۱۸۵۷ء۔ از مولانا یٰسین اختر مصباحی۔ دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی/ علماے ہند کا شان دار ماضی، جلد چہارم۔ از مولوی سید محمد میاں۔ کتابستان، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی)

(۲) صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ۔

ولادت: صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی ابن مولانا لطف اللہ کشمیری، دہلی میں ۱۲۰۴ھ/ ۱۷۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت ''چراغ'' ہے۔ آپ کے باپ دادا کشمیری تھے۔

تعلیم و تربیت:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد (مولانا لطف اللہ کشمیری) سے حاصل کی۔ علوم اسلامیہ کے لیے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، حضرت شاہ عبد القادر دہلوی اور حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ اور علوم عقلیہ کے لیے حضرت مولانا فضل امام خیر آبادی کی درس گاہ میں حاضر ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں یہی وہ اساتذۂ علم وفن تھے جو نہ صرف اپنے اپنے فن میں دسگاہ کامل رکھتے تھے، بلکہ پورے ہندوستان میں انھیں درجۂ استناد حاصل تھا۔ ملک کے گوشے گوشے سے تشنگان علوم وفنون ان کے آستانوں پر حاضر ہوتے اور ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے تھے۔

آپ علامہ فضل حق خیر آبادی کے ہم درس اور عمر میں ان سے آٹھ سال بڑے تھے۔ اور دونوں ایک ساتھ منقولات کا درس خاندان ولی اللہی کے بزرگوں سے لیتے اور معقولات حضرت مولانا فضل امام خیر آبادی سے پڑھتے تھے۔

آپ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اور اس فن میں شاہ نصیر اور میر ممنون دہلوی کے شاگرد تھے۔ آپ کا تخلص آزردہ تھا۔ آپ ہمیشہ فرط عشق اور ولولۂ محبت سے آزردہ خاطر، افسردہ طبع، دیدۂ گریاں، سینۂ بریاں رہتے تھے۔ اور اشعار پڑھنے میں نہایت دل شگاف آواز اور لحنِ حزیں اور صوتِ دردانگیز رکھتے تھے۔

مولانا فقیر محمد جہلمی (متوفی ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء) لکھتے ہیں:

''مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور تمام علوم نحو وصرف، منطق، حکمت، ریاضی، معانی، بیان، ادب، انشا، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور درس دیتے تھے۔ آبا واجداد آپ کے کشمیر کے اہل بیتِ علم وصلاح سے تھے، مگر آپ کی ولادت دہلی میں ہوئی۔

علوم نقلیہ فقہ وحدیث وغیرہ شاہ عبد العزیز دہلوی اور ان کے بھائیوں سے حاصل کیے اور ان کی سندیں لیں۔ اور فنون عقلیہ کو مولوی فضل امام خیر آبادی والد مولوی فضل حق سے اخذ کیا۔ اور شیخ محمد اسحٰق دہلوی نے بھی آپ کو حدیث کی اجازت لکھ کر دی۔

آپ بڑے صاحب وجاہت وریاست اور اپنے زمانے میں یگانۂ روزگار اور نادرۂ عصر تھے۔ ریاستِ درس وتدریس، خصوصا افتاے ممالک محروسہ مغربیہ، بلکہ شرقیہ وشمالیہ دہلی اور امتحان مدارس وصدارت حکومت دیوانی کی آپ پر منتہی ہوئی۔

بجز شاہ دہلی کے تمام اعیان واکابر اور علما وفضلا، خاص دہلی اور اس کے نواح کے آپ کے مکان پر حاضر ہوتے تھے۔ طلبہ تو واسطے تحصیل علم، اور اہل دنیا واسطے مشورت معاملات، اور منشی لوگ بغرض اصلاح انشا، اور شعرا واسطے مشاعرہ کے آتے تھے۔

اس آخر وقت میں ایسا فاضل بایں جامعیت اور قوت حافظہ وحسن تحریر ومتانت تقریر وفصاحت بیان اور بلاغت معانی کے صاحب مروت واخلاق اور احسان دیکھا نہیں گیا''۔ (حدائق الحنفیہ، ص ۴۹۸، ۴۹۹۔ از فقیر محمد جہلمی۔ ادبی دنیا، مٹیا محل، دہلی۔)

بعض مشہور تلامذہ :

آپ کے سیکڑوں نامی گرامی تلامذہ ہیں، مگر ان کی تفصیلات کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ ان میں بعض کے نام کے یہ ہیں:

(۱) مفتی سعد اللہ مراد آبادی۔ (۲) مولانا فیض الحسن سہارن پوری۔ (۳) مولانا خیر الدین دہلوی۔ (۴) نواب یوسف علی خاں والی رام پور (۵) نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی۔ (۶) سر سید احمد خاں۔ (۷) مولانا عبد السمیع بے دل رام پوری۔ (۸) مولانا فقیر محمد جہلمی۔ (۹) مولانا امیر حسن سہسوانی۔ وغیرہ

تصنیفات وتالیفات:

آپ کی کئی ایک تصانیف ہیں، مگر افسوس کہ وہ گردش زمانہ کی نذر ہوگئیں۔ حاشیۂ قاضی مبارک، حاشیۂ میر زاہد، شرح دیوان متنبی کا ذکر بعض تذکروں میں ملتا ہے۔ اور منتهى المقال فی شرح حدیث لا تشد الرحال ، در المنضود فی حکم امرأة المفقود ، اور اجوبۂ کثیرہ مستفتیان، آپ کی یادگار ہیں۔

وفات ومدفن:

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں بغاوت کے الزام میں آپ گرفتار کر لیے گئے۔ جائداد منقولہ وغیر منقولہ سب ضبط ہوگئی، لیکن آپ بے قصور تھے اس لیے بعد میں رہائی ہوئی اور کچھ جائداد واپس ملی۔ اس کے بعد آپ گوشہ نشیں ہوگئے۔ آخر عمر میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا، اکیاسی سال کی عمر میں ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ/ ۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء بروز پنج شنبہ آپ کی وفات پائی۔ ''چراغ دو جہاں بود'' مادۂ تاریخ ہے۔ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے احاطہ میں مدفون ہیں۔

(مزید تفصیل کے ملاحظہ ہو۔ حاشیۂ باغی ہندوستان، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ/ تذکرۂ علماے ہند۔ از مولوی رحمٰن علی۔ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ/ حدائق الحنفیہ۔ از مولوی فقیر محمد جہلمی۔ ادبی دنیا، مٹیا محل، دہلی/ چند ممتاز علماے انقلاب ۱۸۵۷ء۔ از مولانا یٰسین اختر مصباحی۔ دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی/ مفتی صدر الدین آزردہ۔ از عبد الرحمٰن پرواز اصلاحی۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی/ علماے ہند کا شان دار ماضی، جلد چہارم۔ از مولوی سید محمد میاں۔ کتابستان، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی)

(۳) شاہ احمد سعید بن ابو سعید عمری دہلوی:

ولادت:

شاہ احمد سعید ابن شاہ ابو سعید دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یکم ربیع الثانی ۱۲۱۷ھ میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ ''مظہر یزداں'' آپ کی ولادت کی تاریخ ہے۔

تعلیم وتربیت:

اپنے والد ماجد سے قرآن شریف حفظ کیا اور علوم عقلیہ مولانا فضل امام خیر آبادی اور مفتی شرف الدین صاحب سے حاصل کیے۔ اور علم حدیث وتفسیر مولوی رشید الدین خاں، مولوی شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین وغیرہ تلامذۂ شاہ عبد العزیز سے حاصل کیا۔ اور علوم باطنی و فیوض معنوی حضرت شاہ غلام علی صاحب سے حاصل کر کے خرقہ خلافت کا پایا۔

فضل وکمال:

آپ کے پیر ومرشد حضرت غلام علی شاہ فرمایا کرتے تھے: شاہ ابو سعید وشاہ احمد سعید وشاہ رؤف ومولوی بشارت اللہ اس زمانے میں ستون دین محمدی ہیں۔ (حدائق الحنفیہ، ص ۴۹۷)

اور سید احمد خاں لکھتے ہیں: آپ شاہ ابو سعید کے بڑے بیٹے اور جانشیں ہیں۔ کمالات آپ کے اس سے سوا ہیں جو بیان میں آویں، اور صفات آپ کی اس سے بہت ہیں جو کہی جاویں، حافظِ کلام اللہ ہیں اور مطبع سنت رسول اللہ۔ اپنے پیروں کی طرح سلسلۂ ارشاد وتلقین اور توجہ اور

استغراق جاری ہے۔اور حق پوچھو تو اب انھیں کی ذات فیض آیات سے خانقاہ کو رونق ہے۔علم حدیث وفقہ وتفسیر بہ درجۂ کمال حاصل ہے۔دن رات مشغلۂ درس وتدریس جاری ہے۔مسائل دینی آپ کے فیض سے حل ہوتے ہیں اور فتوے شرع شریف آپ کی مہر سے مسجل کیے جاتے ہیں۔ قدم بہ قدم اپنے بزرگوں کے طریقے پر چلتے ہیں اور اپنے پیروں کا طریقہ برتتے ہیں۔نسبت باطنی بہت مستحکم ہے۔سیکڑوں آدمی آپ کے فیض توجہ سے مقامات مشکلہ سے نکلتے ہیں اور مدارج اعلیٰ کو پہنچتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ایسے بزرگ کو سلامت رکھے جس سے خاندان مجددیہ قائم ہے۔آمین ثم آمین۔ولادت آپ کی ۱۲۱۷ہجری ہے اور''مظہر یزداں'' آپ کی ولادت کی تاریخ ہے۔اگر چہ عمر شریف چھیالیس مرحلۂ سنین طے فرمائے ہیں،لیکن مدارج کمال کے ہزار در ہزار طے ہوئے ہیں۔آپ نے بھی حضرت شاہ غلام علی صاحب سے بیعت کی ہے اور انھیں سے خلافت پائی، لیکن آپ نے والد سے بہت سا فیض حاصل کیا،ترقی در ترقی پائی اور ان سے بھی خلافت حاصل کی۔اب ان کے انتقال کے بعد آپ ہی سجادہ نشیں ہیں اور ارشاد وتلقین میں مصروف۔(آثار الصنادید،جلد دوم)

وفات :

۱۸۵۷ء میں جب دہلی کے اندر اختلاف وانتشار بہت بڑھ گیا تو آپ اپنے اہل وعیال کو لے کر حجاز کے لیے روانہ ہو گئے ۔دلی سے لاہور پہنچے اور وہاں سے ۲۸/نومبر ۱۸۵۷ء کو ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے قریب موسیٰ زئی پہنچے۔یہاں ان کے خلیفہ حاجی دوست محمد قندھاری نے استقبال کیا۔یہاں سے ۲۳/مارچ ۱۸۵۸ء کو بمبئی پہنچے اور وہاں سے جہاز کے ذریعہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہیں ۲/ربیع الاول ۱۲۷۷ھ/ ۱۹/ستمبر ۱۸۶۰ء کو وفات پائی۔

(آثار الصنادید،جلد دوم،۔از سید احمد خاں۔مرتبہ:خلیق انجم۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،نئی دہلی/ حدائق الحنفیہ،ص۴۹۷۔ از مولوی فقیر محمد جہلمی۔ادبی دنیا،مٹیا محل،دہلی)

(۴) آخون شیر محمد ولایتی:

حضرت مولانا آخون شیر محمد ولایتی افغانستان میں پیدا ہوئے اور تحصیل علم وفضل کے لیے ہندوستان تشریف لے آئے۔مولانا شاہ عبدالقادر قدس سرہ کی بارگاہ سے علم حدیث حاصل کیا۔اور شاہ غلام علی صاحب مجددی قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا۔۱۲۵۷ھ میں حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے اور راستے ہی میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

آپ کے بارے میں سید احمد خاں''آثار الصنادید''میں اس طرح رقم طراز ہیں:

''عالم باعمل،وارستۂ آز وامل،مہبطِ فیضِ ازل وابد آخون شیر محمد،طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔مولد آپ کا افغانستان تھا،لیکن ایک عرصۂ دراز سے بہ ارادۂ تحصیل علم وفضل کے وارد ہندوستان جنت نشان ہو کر اطراف وجوانب میں علمائے کرام کی خدمت سے فیض علم وادب حاصل کیا۔اور جب شاہ جہان آباد میں وارد ہوئے مولانا شاہ عبدالقادر قدس سرہ کی خدمت سراسر افادت میں علم حدیث کو تحصیل کیا . . . حکیم غلام حسن خاں مرحوم کے مکان پر سکونت اختیار کی اور مدت العمر تک ہرگز اخوان زماں اور ابنائے روزگار کی طرف روے التفات نہ لائے۔اور شب وروز شغل ظاہری تدریس علوم عقلی ونقلی رکھتے اور مشغلۂ باطن توجہ الی اللہ،زبان خلق کے ساتھ گفتگو میں رہتی اور دل خدا کے ساتھ مشغول، یہ دونوں کام آن واحد میں اقوال سراسر اختلالِ حکیم فلسفی کے واسطے مبطل ہیں۔سچ کہا ہے:

پاے استدلالیاں چوبیں بود　　　پاے چوبیں سخت بے تمکیں بود

سوائے علوم ظاہری کے کسب فیضِ باطن،خدمت حضرت بابرکت شاہ غلام علی قدس سرہ سے کیا اور مرتبہ خلافت کا پایا۔اگر چہ سلسلہ پیری مریدی کا آپ نے جاری نہیں کیا،لیکن استحقاق اس امر کا ہزار در ہزار مرتبے میں رکھتے تھے۔اور آخر میں سکونت ہندوستان سے دل برداشتہ ہو کر بارادۂ ہجرت اور ادائے حج کے بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے۔اثنائے رہ میں انتیسویں ماہ صفر ۱۲۵۷ھ/ مارچ ۱۸۴۱ء میں نقدِ حیات کو متقاضیان اجل کے سپرد کیا۔(آثار الصنادید،جلد دوم،ص۱۰۹، ۱۱۰۔مرتبہ:خلیق انجم۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،نئی دہلی)

(۵) مولانا امام بخش صہبائی دہلوی :

نام ونسب:

مولانا امام بخش صہبائی ابن مولانا محمد بخش تھانیسری ایک غریب، مگر خانوادۂ علم وفضل کے چشم و چراغ محفل علم وادب کے گوہر شب تاب، داستان جور و جفا کے شہید ستودہ صفات تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب والد ماجد کی طرف سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اور والدہ ماجدہ کی طرف سے غوث الثقلین سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد بخش صاحب ''تھانیسر'' سے دلّی آئے اور کوچۂ چیلاں میں سکونت پذیر ہو گئے۔

علم وفضل:

آپ نے عربی و فارسی کی تعلیم مولانا عبداللہ خاں علوی سے حاصل کی اور اپنے وقت کے بہت بڑے فارسی ادیب، قابل قدر مصنف اور شاعر ہوئے۔ امام الادب مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری جیسے مایۂ ناز شاعر فن شاعری میں آپ ہی کے خرمن کے خوشہ چیں ہیں۔ بقول بابائے اردو مولوی عبدالحق: مولوی امام بخش صہبائی صدر مدرس فارسی کی کتابیں نصاب تعلیم میں داخل تھیں۔ ان کی تصانیف اب تک پڑھائی جاتی ہیں۔ شہر میں ان کی بڑی عزت تھی۔ علاوہ فارسی کی مشہور تالیفات کے اردو صرف ونحو پر بھی ایک اچھی کتاب لکھی جس کے آخر میں بہ ترتیبِ حروف تہجی اردو کے محاورات اور کہیں کہیں ضرب الامثال بھی درج ہیں۔ حدائق البلاغت (تصنیف شمس الدین) کا اردو ترجمہ کیا۔ شعرائے اردو کا انتخاب بھی تیار کیا، جو اسی زمانے میں طبع ہو کر شائع ہوا۔

سرسید احمد خاں (متوفی ۱۸۹۸ء) آثار الصنادید میں آپ کا ذکر جمیل اس طرح کرتے ہیں: زنگ زدائے آئینۂ سخنوری، مصقلِ مرآۃِ معنی پروری، نخلبندِ حدیقۂ کمالاتِ صوری، پردہ کشائے حسنِ جلالِ معنوی، معجزہ طرازِ طرز تازہ، بزم افروز حمائدِ بے اندازہ، ساقیِ خم کدۂ سخن سرائی، مولوی امام بخش متخلص بہ صہبائی۔ نسب آپ کا والد ماجد کی طرف سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اور والدہ مشفقہ کی طرف سے غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے

کمالاتِ ظاہری اور جلائل معنوی اور حسنِ اخلاق اور حمائد اطوار میں پسندیدۂ خلائق ومقبولِ خلائق ہیں۔ خلق خوش آپ کا آئینۂ بہار اور اوضاعِ حمیدہ آپ کے محمودِ روزگار۔ اس جزو زمان میں ایسی جامعیت کے ساتھ کوئی کم گزرا ہے۔ اور طرفہ یہ کہ فنونِ متعارفہ مثل تحقیق لغت و اصطلاحات زبان اور تدقیق مقاماتِ کتابی اور تکمیلِ عروض وقافیہ واستکمالِ فن معما وغیرہا میں ایسا کمال بہم پہنچایا ہے کہ ہر فن میں یک فنی کہنا چاہیے ؎

پذیرفتہ از ہر فنے روشنی جداگانہ در ہر فنے یک فنی

شروح کتب اور رسائل قواعد زبان فارسی اور رسائل علم عروض وقافیہ اور معما جو آپ کے ریختۂ قلم نزاکت رقم ہیں ایسے نفائس مقاصد اور جلائل مطالب پر مشتمل ہیں کہ متبعان فنون مذکورہ کو ان فوائد جلیلہ کا حصول بعد ایک عمر دراز کے بھی متعسر ہے۔

ملازمت:

۱۸۴۰ء میں مسٹر ٹامسن لفٹننٹ نے دہلی کالج کے لیے ایک ماہر فارسی استاذ کا تقرر کرنا چاہا تو صدر الصدور مفتی صدالدین خاں آزردہ نے لفٹننٹ گورنر سے فرمایا: ہمارے شہر میں فارسی کے استاد صرف تین شخص ہیں۔ ایک مرزا نوشہ (مرزا غالب) دوسرے حکیم مومن خاں، تیسرے امام بخش صہبائی''۔

لفٹننٹ بہادر نے تینوں کو بلوایا۔ تو مرزا نوشہ نے انکار کر دیا۔ مومن خاں نے یہ شرط رکھی کہ سو روپے ماہانہ سے کم کی خدمت قبول نہ کروں گا۔ مولوی امام بخش صہبائی کا کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا۔ انھوں نے یہ خدمت چالیس روپے ماہانہ پر قبول کر لی جو بعد میں پچاس روپے ہو گئے۔

شہادت:

مولانا امام بخش صہبائی انگریز مخالف ذہن اور مجاہدین کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے۔ قلعۂ معلّٰی کی مجلس شوریٰ اور بعض مشوروں اور سرگرمیوں میں شریک ہو کر انگریزی اقتدار کے خاتمہ کے آرزومند اور کوشاں بھی تھے، مگر ان کی گرفتاری اور شہادت اچانک اس طرح ہوئی کہ کوچۂ

چیلاں دہلی کے کسی گھر میں ایک انگریز داخل ہوااور برے ارادے سے زنان خانہ کی طرف جانے کی کوشش کی۔اس حرکت پر مشتعل ہوکر کسی نے اسے زخمی کردیا۔اس کی خبر جب انگریزی کمان افسر کو ملی تو اس نے حکم دیا کہ اس محلہ کے تمام مردوں کو قتل کردیا جائے یا گرفتار کرکے لایا جائے۔

اس حکم کی تعمیل میں بہت سے مرد اسی محلہ اور گھر میں قتل کردیے گئے،اور باقی ماندہ افراد کو گرفتار کرکے جمنا کے کنارے لے جاکر گولیوں سے بھون دیا گیا۔انھیں گرفتار شدگان میں مولانا امام بخش صہبائی اور مشہور روزگار خوش نویس سید محمد امیر عرف میر پنجہ کش تھے۔اس حادثہ میں مولانا صہبائی اپنے کنبے کے تقریباً اکیس افراد کے ساتھ شہید کردے گئے۔یہ جاں کاہ حادثہ ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۷ء میں پیش آیا۔

اس وقت اکبرالہ آبادی نے کہا تھا :

وہی صہبائی جو تھے صاحبِ قولِ فیصل ایک ہی ساتھ ہوئے قتل پدر اور پسر

اوراس المناک شہادت کی خبرسن کرحضرت مفتی صدرالدین خاں آزردہ کا دل تڑپ اٹھااور زبان بے اختیار پکار اٹھی کہ:

کیوں کر آزردہ نکل جائے نہ سودائی ہو قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

(تفصیل کے لیے مطالعہ فرمائیں: چند ممتاز علماے انقلاب ۱۸۵۷ء ۔از مولانا یٰسین اختر مصباحی ۔دارالقلم،ذاکرنگر،نئی دہلی/ علماے ہند کا شاندار ماضی،جلد چہارم ص ۲۳۶۔از مولوی سید محمد میاں ۔کتابستان،قاسم جان اسٹریٹ،دہلی ۶ / آثارالصنادید۔ازسرسید خاں۔اردو اکادمی،دہلی)

(۶) حکیم امام الدین خاں:

حکیم امام الدین خاں،حکیم غلام رضا خاں کے صاحبزادے تھے۔اکبر شاہ ثانی کے عہد میں شاہی طبیب تھے اور پانچ سو روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی،لیکن بہادر شاہ ظفر کے زمانے میں سو روپے ماہوار رہ گئی۔عہد ظفر میں نواب زینت محل کے طبیب خاص تھے۔۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں گھر بیٹھے رہے۔جب لوگ دلی چھوڑ کر بھاگنے لگے تو یہ بھی دلی سے چلے گئے۔کچھ دن بعد کرنل برن کے حکم سے واپس آگئے۔لیکن چند روز بعد جان مٹکاف نے شہر بدر کردیا۔کچھ دن بعد جیوتی پرشاد کی سرکار میں ملازم ہوگئے اور پھر بنارس چلے گئے،اور کچھ دن بعد ٹونک چلے گئے۔وہیں ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۴ء میں انتقال ہوا۔(حواشی آثارالصنادید،جلد دوم،ص ۲۶۰)

سرسید احمد خاں آثارالصنادید میں لکھتے ہیں: حکیم امام الدین خاں قطع نظر کمالات طبی سے جامعِ معقول ومنقول،حاوی فروع واصول۔درس ویسا ہے،نبض شناسی ویسی ہے۔اگر بالفرض انقلاب روزگار سے تمام عالم سے نسخ معتبرہ گاوخوردہوجاویں،اور سارے جہاں سے کتب سلف دریا برد ہوجاویں،اس سرگروہ ارباب فضل کے حافظے کی مدد سے پھر کتب خانہ روزگار کا معمور ہوسکتا ہے۔حرکت نبض موج سے پیچش گرداب کو معلوم کیا،اوررگ ابرنیساں سے استسقاے صدف کو دریافت،صنوبر علاج خفقاں کے واسطے ان سے رجوع لاتا ہے،اور گل نرگس چارۂ یرقاں ان سے چاہتا ہے۔ان کے بزرگان والانژاد کو سرکار بادشاہی سے مناصب ارجمند اور مراتب بلند عطا ہوتے رہے ہیں۔اور یہ بھی حضرت جہاں بانی کی طرف سے عہدۂ طبابت پر مامور ہیں۔(آثارالصنادید،جلد دوم،ص ۴۸)

(۷) حافظ علی بخش ابن خدا بخش حنفی:

حافظ علی بخش ابن خدا بخش حنفی امام الادب مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری کے والد ماجد ہیں۔آپ قرآن پاک کے حافظ اور عربی وفارسی ادبیات کے زبردست عالم تھے۔مولانا فیض الحسن صاحب نے ابتدائی درسی کتابیں آپ ہی سے پڑھیں۔

آپ کے مزید حالات بروقت دستیاب نہیں ہوسکے؛ کیوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے اب تک امام الادب مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری اوران کے والد ماجد پر تحقیقی کام جیسا کہ ہونا چاہیے،نہیں ہوسکا ہے۔

مولوی سعید اقبال قریشی،استاذ عربی اسلامیہ کالج،لاہور نے آپ کے علمی وادبی کارناموں پر ایک مبسوط مقالہ لکھ کر پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ہے،اس کا ذکر شیخ نذیر حسین نے اپنے ایک مضمون میں کیا ہے جو معارف اعظم گڑھ ماہ ستمبر ۱۹۹۰ء میں چھپا ہے۔کاش کوئی اہل قلم اس جانب توجہ کرے اوران کے تفصیلی حالات جمع کرے۔

امام الادب مولانا فیض الحسن سہارن پوری کے مشہور و معروف تلامذہ

(۱) امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ، محدث علی پوری:

ولادت اور نام ونسب:

حضرت پیر سید جماعت علی شاہ ابن سید کریم شاہ، علی پوری ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء میں موضع ''علی پور سیداں''، ضلع سیال کوٹ، پنجاب میں پیدا ہوئے۔ آپ نجیب الطرفین سید اور سادات شیراز میں حضرت سید محمد مامون المعروف بہ قطب شیرازی کی اولاد امجاد سے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب اڑتیس (۳۸) واسطوں سے حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے حضرت شہاب الدین کشمیری سے ''علی پور سیداں'' میں قرآن پاک حفظ کیا۔ ابتدائی کتب مولانا عبدالرشید علی پوری اور مولانا عبدالوہاب امرتسری سے پڑھیں۔ اور مولانا غلام قادر بھیروی، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، مولانا محمد علی مونگیری، علامۂ زماں مولانا احمد حسن کان پوری، مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی جیسے اجلۂ علمائے کرام سے مختلف علوم وفنون میں اکتساب فیض کیا۔ حدیث شریف کی سند مولانا عبدالحق مہاجر مکی سے حاصل کی۔ مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی نے بھی حدیث کی سند عطا فرمائی۔

بیعت وارادت:

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ فقیر محمد المعروف باباجی علیہ الرحمہ، چورہ شریف کے مرید ہوئے اور قلیل مدت کے بعد خلافت واجازت سے مشرف ہوئے۔

دینی وملی خدمات:

آپ نے تبلیغ اسلام کے سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اسلام کا پیغام غیر منقسم ہندوستان کے گوشے گوشے تک پہنچایا۔ عیسائی مشنریوں اور آریہ سماج کی ریشہ دوانیوں کو ناکام بنایا۔ ہزارہا عیسائیوں اور ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ شدھی تحریک (مسلمانوں کو ہندو بنانے والی تحریک) کے خلاف بھرپور جدوجہد کی اور آگرہ میں تبلیغی مرکز قائم کرکے طوفانی دورے کیے۔ مرزائے قادیانی کے دعاوی باطلہ کی زبردست تردید کی۔ شاہی مسجد، لاہور میں مرزا کی موت کی پیش گوئی کی جو حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''الکاویہ علی الغاویہ، حصہ دوم''۔ مصنفہ حضرت مولانا محمد عالم آسی، امرتسری)

آپ کے مریدین اور خلفا میں زیادہ تر جدید تعلیم یافتہ طبقہ شامل ہے۔ آپ نے متعدد حج کیے اور کم وبیش پچاس مرتبہ دربار رسالت میں حاضری دی۔ سیکڑوں مسجدیں تعمیر کرائیں، متعدد مدرسے قائم فرمائے۔ ۱۹۰۴ء میں ''انجمن خدام الصوفیہ'' کی بنیاد لاہور میں رکھی۔ اس انجمن نے دینی وملی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ کئی رسائل آپ کی سرپرستی میں شائع ہوتے رہے۔ ماہ نامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور، اور ماہ نامہ ''لمعات الصوفیہ'' سیال کوٹ پر آپ کی خاص نظر عنایت تھی۔

آپ کی سخاوت اور دریا دلی کا ایک عالم میں چرچا تھا۔ کوئی سائل آپ کے دربار سے خالی نہ جاتا تھا۔ خاص طور پر عربوں کی بہت عزت وتکریم کرتے تھے، چنانچہ اہل عرب آپ کو '' ابو العرب '' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

تصنیف وتالیف:

آپ بے پناہ دینی وملی کاموں میں مصروف ہونے کے باعث تصنیف وتالیف کی طرف توجہ نہ دے سکے، تاہم چند رسائل آپ کے قلم سے معرض تحریر میں آئے جو درج ذیل ہیں:

(۱) ضرورت شیخ۔ (۲) یاران طریقت۔ (۳) اطاعت مرشد۔ (۴) مرید صادق۔ ان کے علاوہ فضیلت تہجد پر ایک مقالہ تحریر فرمایا جو ماہ نامہ انوار الصوفیہ، سیال کوٹ میں شائع ہوا۔ ایک رسالہ فضائل مدینہ طیبہ پر لکھا جو انوار الصوفیہ، لاہور کے شمارہ نمبر گیارہ میں شائع ہوا۔

وفات ومدفن:

۲۷ / ذی قعدہ ۱۳۷۰ھ مطابق ۳۰ / اگست ۱۹۵۱ء جمعرات وجمعہ کی درمیانی شب میں آپ اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کا مزار'' علی پور سیداں'' میں مرجع خلائق ہے۔

(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو'' تذکرۂ اکابر پاکستان، جلد اول''۔ از مولانا عبدالحکیم شرف قادری۔ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ، لاہور)

(۲) مولانا اصغر علی روحی:

ولادت: مولانا اصغر علی روحی ابن مولانا قاضی شمس الدین ابن میاں پیر بخش ابن رکن الدین (رحمہم اللہ تعالیٰ) دریاے چناب کے کنارے واقع قصبہ کٹھالہ ضلع گجرات میں ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

بچپن میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ لاہور آ گئے اور وہاں اپنے دور کے ممتاز علما مولانا فیض الحسن سہارن پوری، مفتی عبداللہ ٹونکی، مولوی عبدالکلام کلانوری اور مولوی قاضی ظفر الدین سے استفادہ کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کیے اور ایم، او، ایل کی ڈگری حاصل کی۔

میدان عمل:

ابتدا میں مولانا موصوف اورینٹل کالج، لاہور کے پروفیسر رہے، پھر ۱۸۹۲ء سے ۱۹۴۱ء تک اسلامیہ کالج، لاہور کے شعبۂ عربی کے پروفیسر رہے۔ عربی اور فارسی ادب میں یکتاے روزگار تھے۔ فضلاے عصر آپ کی علمی فضیلت کے معترف اور مداح تھے۔ علامہ اقبال جیسے فضلا آپ سے استفادہ کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔

آپ پوری زندگی شریعت مبارکہ کے پابند اور ظاہری تکلفات سے بے نیاز رہے۔ آپ کو عربی اور فارسی زبان پر عبور حاصل تھا اور دونوں زبانوں میں بلا تکلف شعر کہتے تھے۔

۱۹۰۳ء میں آپ نے لاہور سے ایک علمی وادبی پرچہ ''الھدیٰ'' جاری کیا جس میں تفسیر قرآن، تاریخ اسلام اور تصوف پر مضامین شائع ہوتے تھے۔ آپ دو سال اس کے مدیر مسئول رہے۔

وفات ومدفن:

۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۴ء میں لاہور میں آپ کا انتقال ہوا، قصبہ کٹھالہ میں مسجد سے ملحق جی، ٹی، روڈ کے کنارے آپ کا مزار واقع ہے۔

تصنیفات وتالیفات:

آپ نے تصانیف کا قابل قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ چند مطبوعہ تصانیف یہ ہیں:

(۱) دبیر عجم۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔ (۲) العروض والقوافی۔ یہ اردو زبان میں ہے۔ (۳) ترجمہ نصیحة التلمیذ۔ یہ امام غزالی کی کتاب ''نصیحة التلمیذ'' کا ترجمہ ہے۔ (۴) ترجمۂ قصیدہ بردہ۔ یہ شیخ شرف الدین بوصیری علیہ الرحمہ کے مشہور زمانہ قصیدہ کا اردو زبان میں ترجمہ ہے۔ (۵) امیر الکلام من کلام الامام۔ (۶) سیطرة الاسلام علی النصاری اللئام۔ یہ اردو زبان میں عیسائیت کے رد میں ہے۔ (۷) مافی الاسلام۔ اس میں اسلامی عقائد واحکام آسان اردو زبان میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔

ان کے علاوہ چھ ہزار اشعار پر مشتمل فارسی دیوان، پانچ سو اشعار پر مشتمل عربی دیوان، تفسیر سورۂ یٰسین، آخری دو پاروں کی تفسیر اور خطبات عربی ابھی منتظر اشاعت ہیں۔

(تفصیل کے دیکھیے فقہ اسلامی، ص ۲۷۶۔ از مولانا عبدالاول جون پوری۔ فقیہ ملت اکیڈمی اوجھا گنج، بستی/ تذکرۂ اکابر پاکستان، ص ۶۰ تا ۶۲۔ از مولانا عبدالحکیم شرف قادری۔ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ، لاہور)

(۳) مولانا مفتی عبداللہ ٹونکی:

مولانا مفتی عبداللہ ٹونکی ریاست ٹونک کے شیخ صابر کے گھر پیدا ہوئے۔مولانا لطف اللہ علی گڑھی ،مولوی احمد علی سہارن پوری اور مولانا فیض الحسن سہارن پوری سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔اورینٹل کالج لاہور اور مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔اپنے استاذ مولانا فیض الحسن سہارن پوری کی طرح عربی ادب آپ کا خاص موضوع تھا۔۷ رنومبر ۱۹۳۰ کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

(۱)عجالة الراكب فی امتناع كذب الواجب .(۲) حاشية حمدالله .(۳)تعليقات المفتی .(۴) عقد الدرر . (۵)الكلام الرشيق . (فقہ اسلامی،ص ۲۸۲۔از مولانا عبدالاول جون پوری۔مع تغییر یسیر)

(۴) سرسید احمد خان:

سرسید احمد خاں کے والد کا نام سید محمد متقی خان بہادر اور دادا کا نام جواد علی خان بہادر ہے۔نانا کا نام فرید الدین احمد خان بہادر ہے۔آثار الصنادید کے شروع میں سرسید احمد خان خود لکھتے ہیں:

امابعد! سید احمد خان بیٹا سید محمد متقی خان بہادر اور پوتا جواد الدولہ جواد علی خان بہادر اور نواسہ دبیر الدولہ امین الملک خواجہ فرید الدین احمد خان بہادر مصلح کا یہ عرض کرتا ہے۔الخ۔

سرسید کے والد کو قلعے کے کئی شعبوں سے تنخواہ ملتی تھی۔یہ تنخواہیں قلعے کی سازشوں کا شکار ہوکر بہت قلیل رہ گئیں۔والد کے انتقال کے بعد تنخواہوں کا بہت کم حصہ تو سرسید کی والدہ کے نام جاری رہا۔باقی سب بند ہوگئیں۔یہ ۱۸۳۸ء کی بات ہے۔اس وقت سرسید کی عمر تقریبا بائیس سال تھی۔نوجوان سرسید نوکری کی تلاش میں نکلے اور چند مہینوں کی کوششوں سے انھیں دلی کی کچہری میں صدر امین کی عدالت میں سررشتہ دار کی نوکری مل گئی۔سترہ سال کی مدت میں محنت کر کے اور مختلف امتحان دے کر سرسید منصف،امین اور پھر صدر امین کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

(آثار الصنادید،جلد اول،مرتبہ:خلیق انجم۔ص ۱۲۸۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،نئی دہلی)

وفات:

سرسید ۱۸۹۸ء میں ایک طرف اپنے بیٹے کی بدمستی اور بدمزاجی سے نہایت قلبی کوفت اور اذیت میں تھے اور دوسری طرف سید محمود کی جانشینی اور ٹرسٹیز بل کی منظوری کے سبب سے سرسید کے اچھے اچھے دوست ، بلکہ دست و بازو ان سے الگ ہو رہے تھے۔نواب وقار الملک اور دوسرے اکابر ارکان کی طرف سے بالاعلان مخالفت کی تحریریں اخباروں میں جا چکی تھیں ، یہاں تک کہ نیک صفات مولانا حالی بھی موافقت نہ کر سکے کہ دفعۃً چند روز کی علالت کے بعد ۲۷ رمارچ ۱۸۹۸ء کو سرسید نے وفات پائی۔(حیات شبلی،ص ۲۷۰،۲۷۱)

تصنیفات وتالیفات:

(۱) جام جم۔یہ سرسید کی پہلی تصنیف ہے۔(۲)سلسلۃ الملوک۔(۳) آئین اکبری۔(۴) تاریخ بجنور۔(۵) تاریخ سرکشی ضلع بجنور۔ (۶)اسباب بغاوت ہند۔(۷) تاریخ فیروز شاہی۔توزک جہاں گیری۔(۸) آثار الصنادید۔

(آثار الصنادید،جلد اول،مرتبہ:خلیق انجم۔ص ۱۲۸۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،نئی دہلی)

(۵) مولانا شبلی نعمانی:

ولادت:

مولانا شبلی نعمانی کی ولادت قصبہ بندول،ضلع اعظم گڑھ میں ذیقعدہ ۱۲۷۴ھ/ ۳ رجون ۱۸۵۷ء میں عین اس ہنگامہ خیز زمانے میں ہوئی جو عام طور سے غدر کے نام سے مشہور ہے۔والدین نے ''محمد شبلی'' نام رکھا۔ابتدا میں مولانا اپنا نام ''محمد شبلی'' لکھتے تھے،بعد کو صرف شبلی کر دیا اور امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے نام کے ساتھ ''نعمانی'' لکھنے لگے۔

تعلیم وتربیت:

قرآن پاک اور فارسی کی ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں حکیم عبداللہ سے حاصل کی۔اس کے بعد مولوی فیض اللہ اعظمی ،مولانا علی عباس چریا کوٹی ،مولانا ہدایت اللہ خاں جون پوری ،مولانا محمد فاروق عباسی چریا کوٹی سے مختلف علوم وفنون حاصل کئے۔اور امام الادب مولانا فیض الحسن سہارن پوری سے عربی زبان وادب،اور مولانا احمد علی محدث سہارن پوری سے علم حدیث کی تحصیل کی۔

۱۸۷۸ء سے ۱۸۸۲ء تک مولانا شبلی اعظم گڑھ اور اس کے اطراف میں رہے۔کبھی وکالت کا امتحان دیا،کبھی ملازمت کی،کبھی نیل کی تجارت اور زمین داری کا کام دیکھا،مگر ان تمام بے اطمینانیوں اور ہنگاموں کے ساتھ ان کے علمی،ادبی اور قومی مشاغل جاری رہے۔(حیات شبلی)

شب وروز کا پروگرام:

حیات شبلی میں ہے کہ مولانا صبح سویرے چار بجے کے قریب اٹھ بیٹھتے تھے، پہلے تو یوں ہی بستر پر پڑے پڑے قرآن پاک کی کچھ آیتیں جوان کو یاد آجاتیں،لحن کے ساتھ زور زور سے پڑھتے تھے، پھر حماسہ کے دو چار عربی اشعار ادھر ادھر سے گاتے تھے، ذرا مطلع صاف ہوا تو پاس ہی چائے کا چولھا جو مٹی کے تیل سے جلتا تھا، رکھا رہتا تھا خود اٹھ کر اس کو روشن کرتے اور چائے کا پانی اس پر رکھ دیتے تھے، ساتھ لوٹے میں پانی اور طشت رکھا رہتا تھا، اس سے وضو کر کے نماز سے فرصت کر لیتے تھے، اسی وقت چائے بھی پی لیتے تھے، ان کو قبض کی شکایت ہمیشہ رہتی تھی، اس لیے بیت الخلا میں جا کر دیر تک بیٹھتے تھے، اسی لیے وہ بیت الخلا ہمیشہ غیر مشترک چاہتے تھے اور رکھتے تھے اور وہ بھی نہایت صاف کہ وہاں اخبارات ساتھ لے جاتے تھے اور وہیں پڑھتے تھے کہ یہ وقت بھی ضائع نہ ہو، حاجت ضروری سے فارغ ہو کر لکھنے کی میز پر بیٹھ جاتے تھے، آٹھ نو بجے تک اس سے فارغ ہو جاتے تھے، ضروری خطوں کا جواب بھی وہ اسی وقت لکھ لیتے تھے، یہ وقت ان کی پوری تنہائی کا ہوتا۔

اس کے بعد وہ کتب بینی میں مصروف ہو جاتے تھے، کوئی باہر سے یا اور کوئی ممتاز آدمی آ گیا تو مل بھی لیے، مگر وہ اس وقت خوش دلی سے نہیں ملتے تھے، لکھنؤ میں جب تھے تو پھاٹک پر ایک نوٹس لگا رکھا تھا کہ کوئی صاحب دس بجے سے پہلے ملنے کی تکلیف گوارہ نہ فرمائیں۔

اسی وقت نو دس بجے کے قریب وہ کھانا بھی کھا لیتے تھے، اب چار بجے شام تک وہ الٹ پلٹ کر کتابیں دیکھا کرتے، جو آئندہ لکھنا ہوتا، اس کا مواد تلاش کرتے، ضروری مقامات پر نشانات لگا دیتے۔چار بجے کے بعد سے احباب، طلبہ اور ملنے والوں کی آمد ہوتی۔بڑی شگفتہ اور بامعنی مجلس ہوتی تھی، اس وقت وہ بلبل ہزار داستاں بن جاتے تھے، عموماً مغرب تک یہ مجلس قائم رہتی تھی اور کبھی مغرب کے بعد تک بھی، رات کا کھانا عام طور سے مغرب کے آگے پیچھے وہ کھا لیتے تھے اور رات کو نو بجے وہ سونے کے لیے لیٹ جاتے تھے''۔(حیات شبلی، ص ۵۵۹)

تصنیفات وتالیفات:

درج ذیل کتابیں مولانا شبلی نعمانی کی یادگار ہیں:

(۱) ظل الغمام فی مسئلة القراءة خلف الأمام .(۲) اسکا ت المعتدی علی انصات المقتدی .(۳) مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم۔(۴) المامون {تاریخ بنی عباس}۔(۵) سیرة النعمان .(۶) الفاروق .(۷) الغزالی .(۸) الکلام {جدید علم کلام}۔(۹) علم الکلام .{تاریخ علم کلام}۔(۱۰) سوانح مولانا روم۔(۱۱) بدء الاسلام {سیرت نبوی پر مختصر رسالہ}۔(۱۲) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وغیرہ۔

وفات ومدفن:

۱۸/نومبر ۱۹۱۴ء/ ۲۸/ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ کی صبح سارھے پانچ بجے بروز چہار شنبہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔عصر بعد شبلی منزل کے ایک گوشے میں تدفین ہوئی۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، حیات شبلی۔از مولانا سلیمان ندوی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ)

(۶) مولانا حمید الدین فراہی:

ولادت:

مولانا حمید الدین فراہی ابن عبد الکریم ۶ر جمادی الآخرہ ۱۲۸۰ھ/ ۱۸ر نومبر ۱۸۶۳ء بروز چہار شنبہ ''پھریہا'' ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام حمید الدین، کنیت ابو احمد، نسبت انصاری اور فراہی ہے۔

تعلیم وتربیت:

مولانا کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی، پہلے انھوں نے حافظ احمد علی سکروروی کے پاس قرآن مجید حفظ کیا اور فارسی کی ابتدائی کتابیں مولوی مہدی حسن صاحب سے پڑھیں، اور درس نظامی کی اکثر کتابیں مولانا شبلی نعمانی سے پڑھیں۔ لکھنؤ میں مولانا عبد الحئ فرنگی محلی، رام پور میں مولانا ارشاد حسین مجددی سے استفادہ کیا۔ اور لاہور میں مولانا فیض الحسن سہارن پوری کی درس گاہ میں زانوئے تلمذ تہ کیا اور عربی ادب کی تکمیل کی۔

میدان عمل :

۱۸۹۷ء میں سب سے پہلے مدرسۃ الاسلام کراچی میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور یہاں انھوں نے کئی سال بسر کئے۔ اس کے بعد سندھ، علی گڑھ، الٰہ آباد اور حیدر آباد میں رہے۔ پھر ملازمت ترک کر کے مولانا حیدر آباد سے اپنے آبائی وطن پھریہا آ گئے اور زندگی کے باقی دن پھریہا اور مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر میں بسر کئے۔

تصنیفات وتالیفات:

درج ذیل کتابیں مولانا حمید الدین فراہی کی یادگار ہیں:

(۱) جمهرة البلاغة. عربي (۲) أقسام القرآن. عربي (۳) الرأى الصحيح من هو الذبيح. عربي (٤) كتاب مفردات القرآن. عربي (٥) دلائل النظام. عربي (٦) التكميل فى أصول التاو يل. عربي (٧) أساليب القرآن. عربي (٨) فى ملكوت الله. عربي (٩) ديوان حميد۔ فارسی (۱۰) ترجمۂ قرآن۔ اردو (۱۱) تحفۃ الاعراب۔ اردو (۱۲) ديوان الفراهى .عربي (۱۳) اسباق النحو، اول ودوم۔ ان کے علاوہ دوسری بہت سی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابیں بھی ہیں۔ جس کی تفصیل ''ذکر فراہی'' میں ہے۔

وفات ومدفن :

مولوی امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں: مولانا کی عام صحت بہت اچھی تھی۔ وہ ابتدا سے ورزش کے عادی تھے اور ہمیشہ اس کا التزام رکھتے تھے۔ اس کا اثر ان کی صحت پر نمایاں تھا، لیکن دو بیماریاں ان کو سخت چمٹ گئی تھیں۔ ایک دردسر جس کا حملہ اکثر ہوتا رہتا تھا۔ دوسری شکایت ان کو کبھی کبھی پیشاب کے رک جانے کی تھی۔ یہ تکلیف ان کو کئی بار ہوئی۔ آخری مرتبہ جب یہ تکلیف ان کو ہوئی تو ان کو آپریشن کرانا پڑا۔ آپریشن کے لیے وہ اپنے ایک ہم وطن ڈاکٹر کے پاس اعظم گڑھ سے متھرا گئے۔ وہیں آپریشن ہوا اور آپریشن ناکام رہا۔ بالآخر وہیں ۱۹ر جمادی الثانیہ ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۱ر نومبر ۱۹۳۰ء کو انتقال فرمایا، اور وہیں غریبوں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

(تفصیل کے دیکھئے ذکر فراہی۔ از ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی۔ دائرۂ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ)

ماخذ ومراجع:

(۱) فقہ اسلامی۔ از حضرت مولانا عبد الاول جون پوری۔ مطبوعہ فقیہ ملت اکیڈمی، دار العلوم امجدیہ ارشد العلوم، اوجھا گنج، بستی۔

(۲) انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ مع نظر ثانی واضافہ رد براہین قاطعہ۔ از مولانا عبد السمیع بے دل سہارن پوری، خلیفۂ مولانا حاجی امداد اللہ، مہاجر مکی رحمہا اللہ تعالیٰ۔ ناشر طلبۂ درجۂ فضیلت ۱۴۲۸ھ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ۔

(۳) العاقب لاہور علامہ فضل حق خیر آبادی و جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر۔

(۴) معجم البابطين لشعراء العربية فى القرن التاسع عشر والعشرين .

(۵) معجم الادباء، ج ۴، ص ۱۴۷، از کامل سلمان جبوری، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
(۶) معجم المولفین، ج ۸، ص ۸۴، از عمر رضا کحالہ، دار احیاء التراث العربی۔
(۷) نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۳۶۶، از حکیم عبد الحئی رائے بریلوی، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، دکن۔
(۸) ذکر فراہی۔ از ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی، دائرۂ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ۔
(۹) حیات شبلی نعمانی۔ از مولانا سید سلیمان ندوی، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ۔
(۱۰) چند ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء۔ از مولانا یٰسین اختر مصباحی۔ دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی۔
(۱۱) اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں۔ از حکیم عبد الحئی رائے بریلوی، دار المصنفین، اعظم گڑھ۔
(۱۲) مفتی صدر الدین آزردہ۔ از عبد الرحمٰن پرواز اصلاحی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی۔
(۱۳) معارف اعظم گڑھ، ماہ ستمبر ۱۹۹۰ء۔ ص ۱۹۹ تا ۲۰۷۔ مضمون نگار شیخ نذیر حسین، مدیر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ تفصیل کے لیے تاریخ اورینٹل کالج، مرتبہ ڈاکٹر غلام حسین اورینٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۶۴ء کا مطالعہ مفید ہے۔
(۱۴) سوانح علامہ فضل حق خیر آبادی۔ از مولانا محمد عبد الشاہد خاں شروانی۔ مع باغی ہندوستان۔ از علامہ فضل حق خیر آبادی۔ مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ۔
(۱۵) تذکرۂ علمائے ہند۔ از مولوی رحمٰن علی۔ مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ۔
(۱۶) حدائق الحنفیہ۔ از مولوی فقیر محمد جہلمی۔ ادبی دنیا، مٹیا محل، دہلی۔
(۱۷) علمائے ہند کا شان دار ماضی، جلد چہارم۔ از مولوی سید محمد میاں۔ کتابستان، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی۔
(۱۸) تذکرۂ اکابر اہل سنت پاکستان۔ از مولانا عبد الحکیم شرف قادری۔ فیاض الحسن بک سیلر، نئی سڑک، کان پور۔
(۱۹) آثار الصنادید۔ از سید احمد خان۔ مرتبہ: خلیق انجم۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔

ساجد علی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

۱۱ر صفر المظفر ۱۴۳۳ھ/ ۶ر جنوری ۲۰۱۲ء